(15)

تحریک جدید کی غرض کو سمجھو اور اپنی زندگیوں کو سادہ بنانے کی کوشش کرو

(فرمودہ 30 اپریل 1943ء)

تشہد، تعوّذ اور سورة فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعہ ہمیں ایک ایسا کامل مذہب بخشا ہے جو ہر زمانہ اور تمام حالات کے لئے اپنے اندر رہنمائی کا سامان رکھتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز اس کے اندر بیان کر دی ہے۔ بعض نادان اس پر یہ اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ آیا فلاں مسئلہ اس میں بیان ہے، آیا فلاں مسئلہ اس میں بیان ہے؟ وہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے انسائیکلوپیڈیا قرار نہیں دیا بلکہ انسان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا قرار دیا ہے۔ انسان اپنے لئے ایک غیر ضروری چیز اگر تجویز کرے تو اس کا نگران اور محافظ اس الزام کے نیچے نہیں آسکتا کہ اس کی اس خواہش کو اس نے کیوں پورا نہیں کیا۔ باپ اپنے بیٹے کے متعلق ہمیشہ کہا کرتا ہے کہ مَیں نے اس کی سب ضرورتوں کو پورا کر دیا ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ اس نے اپنے بیٹے کے لئے عیاشی کے تمام سامان بھی مہیا کر دیے ہیں۔ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے متعلق اوپر کے الفاظ کہے اور اس کا بیٹا یہ کہے کہ میرے باپ نے میری سب ضرورتوں کو کہاں پورا کیا ہے مَیں افیون کھانا چاہتا تھا مگر

اس نے مجھے افیون مہیا کر کے نہیں دی۔ مَیں بھنگ پینا چاہتا تھا مگر اس نے مجھے بھنگ مہیا کر کے نہیں دی۔ مَیں کوکین استعمال کرنا چاہتا تھا مگر اس نے مجھے کوکین مہیا کر کے نہیں دی۔ تو کیا دنیا کا کوئی بھی معقول انسان اس نالائق اور بے وقوف لڑکے کی تائید کرے گا اور کہے گا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ تمہارے باپ نے واقع میں تمہاری ضرورتوں کو پورا نہیں کیا۔ ہر شخص اسے ملامت کرے گا اور کہے گا کہ جن چیزوں کو تم اپنی ضرورتیں کہہ رہے ہو وہ یا تو زہر ہیں اور یا پھر غیر ضروری چیزیں ہیں۔ ان کو ضرورتیں قرار دینا تمہاری اپنی غلطی اور بے وقوفی ہے۔ تو قرآن کریم کا دعویٰ یہ نہیں کہ وہ انسان کے لئے ہر زہریلی یا غیر متعلق چیز مہیا کرتا ہے۔ وہ خود کہتا ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ 1 مومن وہ ہوتے ہیں جو لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ پس جو چیزیں لغو ہیں وہ اس کی ضرورتیں نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح جو چیزیں مضر ہیں وہ اس کی ضرورتیں نہیں ہو سکتیں۔ اس کی ضرورتیں وہی ہیں جو جسم اور روح کی ترقی اور ان کے بقاء اور تحفظ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور جو دنیا و آخرت میں اس کی جسمانی اور روحانی ترقیات کے لئے ضروری ہیں۔ اور جب ہم اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں تو پھر کوئی ایسی ضرورت کی بات نہیں نکل سکتی جس کا قرآن کریم میں ذکر نہ ہو اور اس نے وہ چیز بنی نوع انسان کے لئے مہیا نہ کی ہو۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ اس وقت جنگ نے ایک ایسی کیفیت دنیا میں پیدا کر دی ہے کہ جس کی وجہ سے سب لوگ حیران و پریشان ہیں اور اس مجبوری کی وجہ سے وہ پہلے جن چیزوں کو اپنی ضرورتیں قرار دیتے تھے ان کو زیادہ سے زیادہ مقید اور محدود کر رہے ہیں لیکن اسلام نے اس کا پہلے سے سامان کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا تھا کہ کُلُوْا کھاؤ بھی، وَاشْرَبُوْا اور پیو بھی، وَلَا تُسْرِفُوْا ۔2 لیکن اسراف مت کرو۔ اب اسراف کے صرف یہی معنے نہیں ہیں کہ اگر تمہارے لئے دو چھٹانک کھانا کافی ہو تو تم تین چھٹانک مت کھاؤ بلکہ اس کا ایک یہ مفہوم بھی ہے کہ کھانا جس غرض کے لئے ہے اس کے باہر مت جاؤ۔ کھانے کی غرض جسم کی حفاظت کرنا اور اسے وہ طاقتیں بخشنا ہوتی ہے جن سے انسان دنیا میں کام کر سکے۔

پس اگر کوئی شخص ایسا کھانا کھاتا ہے جس سے اس کے جسم کی حفاظت ہو جاتی ہے تو وہ

کُلُوْا کے حکم کا پورا کرنے والا ہے لیکن اگر وہ کھانا تو اتنا ہی کھاتا ہے جتنی اسے بھوک ہوتی ہے لیکن وہ ایسی چیزیں اپنے کھانے میں شامل کر لیتا ہے جن کی جسم کو ضرورت نہیں ہوتی یا مضر ہونے کے لحاظ سے ان کا استعمال بے وقوفی ہوتا ہے تو وہ اسلامی احکام کے ماتحت اسراف کرنے والا قرار پائے گا کیونکہ اس نے کھانا زیادہ نہیں کھایا مگر اس نے کھانے کی ضروری قسموں پر زیادتی کر دی۔ اسی طرح پینا ہے دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں کے رہنے والوں کو پینے کے لئے پانی میسر نہ آسکے۔ پانی ایسی چیز ہے جو ہر جگہ مل جاتا ہے اور دنیا کے کسی علاقہ میں اگر مسلمانوں کو پینے کے لئے پانی میسر آجائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ضرورت پوری ہو گئی۔ ہر مسلمان کے گھر میں ٹھنڈا پانی موجود ہوتا ہے اور یہ ایسی چیز ہے جو اسے بغیر کسی محنت اور مشقت کے مل جاتی ہے۔ اگر گھر میں پانی نہ ہو اور کنواں پاس ہو تو وہ کنوئیں سے پانی لے لیتا ہے یا جھجریاں بھر کر گھر میں رکھ لیتا ہے اور ذرا بھی محسوس نہیں کرتا کہ اس کی پینے کی ضرورت پوری نہیں ہوئی۔ لیکن یورپ کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اگر انہیں پینے کے لئے شراب میسر نہ آئے تو خواہ ان کے گھروں میں پانی کے گھڑے بھرے ہوئے ہوں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ انہیں پینے کی چیز نہیں ملی۔ اب بظاہر یہ بھی ایک ضرورت ہے مگر اس کے ذمہ دار خدا اور اسکے رسول نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے اس چیز کو انسانی صحت اور اس کی روح کے لئے مضر ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دے رکھا ہے مگر یورپین لوگوں کو اس کی یہاں تک عادت ہو گئی ہے کہ بغیر شراب کے ان کا گزارہ ہی نہیں ہو سکتا اور وہ پانی پینا یوں سمجھتے ہیں جیسے کسی کو قید کر دیا جائے۔ تو وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی آزادی میں فرق آگیا۔ جس طرح ایک قیدی قید کو اپنی آزادی میں فرق لانے والا سمجھتا ہے اسی طرح یورپین لوگوں کو اگر شراب نہ ملے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی آزادی میں فرق پیدا ہو گیا۔

مفتی محمد صادق صاحب جب ولایت گئے تو انہوں نے وہاں سے ایک قصہ لکھا، یا یہاں واپس آکر انہوں نے سنایا کہ ان کا انگلستان یا امریکہ میں ایک ہمسایہ بیمار ہو گیا اور انہوں نے اس کی کچھ خدمت کی۔ مفتی صاحب کے اس سلوک کا اس پر بہت ہی اثر ہوا اور وہ بڑا ممنون ہوا۔ جب وہ اچھا ہو گیا تو اس نے مفتی صاحب سے کہا کہ میں آپ کا بڑا ممنون ہوں کہ

آپ نے میری خدمت کی۔ اب مَیں آپ کے اس احسان کو اتارنے کے لئے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ یہاں پانی بالکل نہ پیا کریں۔ میرے باپ نے صرف ایک دفعہ پانی پیا تھا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ اس کے بعد مَیں نے آج تک کبھی پانی نہیں پیا۔ صرف شراب پیتا ہوں۔ آپ بھی یہاں پانی استعمال نہ کیا کریں۔ اب دیکھو اس کے نزدیک شراب ایسی ضروری چیز تھی کہ شراب کے بغیر اس کا گزارہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک طبعی ضرورت ہے۔ یہ طبعی ضرورت نہیں بلکہ بعد میں اسے اپنی ضرورت بنالیا گیا ہے۔ ہم ہمیشہ پانی پیتے ہیں اور ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ ہمیں پانی پی کر کتنا آرام اور کس قدر راحت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو ٹھنڈے پانی کی بڑی خواہش ہؤا کرتی تھی اور ان کا پانی پینے کا نظارہ بھی ایسا ہوتا تھا جو ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ مسجد مبارک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ کے صحابہ آپ کے ارد گرد ہوتے اور آپ مختلف باتیں بیان فرما رہے ہوتے۔ جب بات زیادہ لمبی ہو جاتی تو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم فرماتے کہ بھئی کوئی بڑی مسجد کے کنوئیں سے جا کر پانی لے آئے۔ ان دنوں اس مسجد کے کنوئیں کا پانی بہت ٹھنڈا سمجھا جاتا تھا۔ اس پر کوئی نوجوان اٹھتا اور وہ اس بڑی مسجد سے پانی لے کر پہنچ جاتا۔ مولوی عبدالکریم صاحب لوٹے کو ہی مُنہ لگا دیتے اور پانی پینا شروع کر دیتے۔ ان کا پانی پینا خود اپنی ذات میں ایک بڑا خوشکن نظارہ ہوتا تھا اور جس لطف سے وہ پانی پیتے تھے وہ مجھے آج تک نہیں بھولتا۔ وہ پانی کے بڑے بڑے گھونٹ بھرتے اور غڑپ غڑپ کی آواز سنائی دیتی اور بار بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہتے۔ دو چار گھونٹ پی لیتے تو کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ پھر دو چار گھونٹ پیتے اور کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ غرض وہ پانی پینے میں ایسی راحت محسوس کرتے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی ساری نعمتیں اس کنوئیں کے پانی میں شامل کر دی گئی ہیں۔ یہ نتیجہ تھا اس قناعت کا جس کو جسم کی صحت کے متعلق قرآنی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے اپنا معیار مقرر کر لیا تھا۔ اب ایسے علاقوں میں جہاں لوگ پانی پینے کے عادی ہوتے ہیں اگر شراب نہیں ملتی تو کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا کہ کوئی تکلیف پہنچ رہی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یورپین قومیں باوجود اس کے کہ جنگ ہو رہی ہے اور چیزوں میں

تو کمی کر رہے ہیں مگر شراب کے متعلق اب تک ان کا یہی خیال ہے کہ سپاہیوں کو شراب ضرور ملنی چاہیئے۔ بلکہ مجھے حیرت ہوئی کہ پچھلے دنوں پنجاب گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ اگر گھر میں چوبیس خالی بوتلوں سے زیادہ رکھی جائیں گی تو یہ جرم ہو گا کیونکہ سپاہیوں کے لئے شراب مہیا کرنے کے لئے بوتلوں کا ذخیرہ کافی نہیں ہے۔ اب دیکھو یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ پینے میں اسراف سے کام لیا گیا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو گو شراب نہیں پیتے مگر اور منشّی اشیاء کا استعمال کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں تنزل اور ادبار کے زمانہ میں بھنگ پینے کا رواج بہت زور پکڑ گیا تھا۔ سندھ میں اب تک یہ رواج پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض دوستوں نے سنایا کہ جس طرح پنجاب میں پولیس والے جب کہیں جاتے ہیں تو لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے لئے شربت شیرہ کا انتظام کرو اسی طرح سندھ میں پولیس والوں کی طرف سے پہلا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے لئے سردائی لاؤ۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ بھنگ گھوٹ کر پلاؤ۔ چنانچہ ان کے لئے بھنگ گھوٹی جاتی ہے اور انہیں پلائی جاتی ہے۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو اسراف میں شامل ہیں۔ لَا تُسْرِفُوْا کا صرف یہ مطلب نہیں کہ اگر تم پانی پیو اور تمہیں ایک گلاس کی پیاس ہو تو تم دو گلاس نہ پیو۔ یہ بھی معنے ہیں لیکن اس کے ایک اور معنے بھی ہیں اور وہ یہ کہ ہم نے تمہارے پینے کے لئے پانی مقرر کر دیا ہے یہ اور بات ہے کہ کبھی ذائقہ کی درستی یا کسی اور طبعی ضرورت کے ماتحت شربت پی لیا جائے یا بوتل کا استعمال کر لیا جائے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ پانی ہمارے پینے کے لئے کافی نہیں۔ یوں تو ہم میں سے ہر شخص کبھی لیمونیڈ استعمال کر لیتا ہے، کبھی شربت بنا کر پی لیتا ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ اگر لیمونیڈ یا شربت نہ ملے اور انسان سفر پر ہو یا کسی ایسے علاقہ میں ہو جہاں یہ چیزیں میسر نہ آسکتی ہوں تو ہم تکلیف محسوس کریں ہمیں اگر لیمونیڈ نہ ملے گا یا شربت نہ ملے گا تو ہمیں اس سے ذرہ بھی تکلیف نہیں ہو گی کیونکہ ہم پینے کے لئے پانی کافی سمجھیں گے لیکن شرابی کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ بھنگ والے کو جب تک بھنگ نہ پلائی جائے، شراب والے کو جب تک شراب نہ ملے اور اس کا نشہ پورا نہ ہو اسے تکلیف ہی تکلیف رہتی ہے اور کسی چیز میں مزا نہیں آتا۔

غرض اسلام نے ہمارے لئے زندگی کا ایک ایسا معیار مقرر کر دیا ہے جس سے ہر زمانہ

اور ہر قسم کے حالات میں ہمیں آرام رہتا ہے۔ دیکھو اس وقت لڑائی ہو رہی ہے اور شاذو نادر کے طور پر ایسا موقع بھی آجاتا ہے جب پینے کے لئے پانی میسر نہ آئے لیکن عام طور پر ہر جگہ پینے کے لئے پانی میسر آجاتا ہے۔ پس مومن کہیں چلا جائے اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو سکتی کیونکہ پانی ہر جگہ موجود ہو گا اور وہ اسے پی کر اپنی ضرورت کو پورا کر سکے گا۔ اسی طرح پیٹ بھرنے کے لئے ہر جگہ غذائیں موجود ہوتی ہیں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ وہ ایسی عادتیں نہ ڈالے اور ایسی غذائیں اپنے لئے تجویز نہ کر لیا کرے جن کے نہ ملنے کی وجہ سے اسے اپنے علاقہ میں یا کسی اور علاقہ میں دکھ اور تکلیف محسوس ہو۔

مَیں نے تحریک جدید کو جاری کرتے وقت اسی اصل کو مدنظر رکھا تھا۔ اور میں نے کہا تھا کہ ہمیشہ ایک کھانا کھاؤ۔ میرا مطلب یہ تھا کہ جب انسان ایک کھانا کھائے گا تو لازمی طور پر وہ ایسا ہی کھانا کھائے گا جس سے اس کا پیٹ بھرے۔ یہ تو نہیں کر سکتا کہ وہ ایک کھانا بھی کھائے اور پھر وہ کھانا ایسا ہو جو صرف زبان کے ذائقہ کے لئے ہو پیٹ بھرنے کے لئے کافی نہ ہو۔ مثلاً چٹنیاں اور مربے ایسی چیزیں ہیں جن پر انسان گزارہ نہیں کر سکتا۔ یہ صرف زبان کے ذائقہ کے لئے ہوتی ہیں۔ پس میری غرض یہ تھی کہ جب ہماری جماعت کے لوگ ایک کھانا کھانے پر آجائیں گے تو لازماً وہ ایسا ہی کھانا کھائیں گے جو ان کا پیٹ بھرے۔ ان کھانوں کو چھوڑتے چلے جائیں گے جو محض ذائقہ کی درستی کے لئے ہوتے ہیں۔ جو لوگ کئی کھانوں کے عادی ہوتے ہیں وہ بعض ایسے کھانے بھی اپنے دستر خوان پر لے آتے ہیں جن کا پیٹ بھرنے سے تعلق نہیں ہوتا۔ صرف زبان کے چسکہ سے تعلق ہوتا ہے۔ ورنہ ایک کھانا کھانے والے ہمیشہ ایسا ہی کھانا کھاتے ہیں جن سے ان کا پیٹ بھر جائے۔ زبان کے ذائقہ کے لئے وہ کسی اور کھانے کی طرف نہیں جاتے۔ صرف مُلّالوگوں کے متعلق مَیں نے سنا ہے کہ وہ بعض دفعہ خالی فرنی پر گزارہ کر لیتے ہیں اور اتنا کھا جاتے ہیں کہ انہیں کسی اور کھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن عام طور پر خالی فرنی پر لوگ گزارہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے لازمی طور پر انہیں روٹی سالن یا چاول سالن تیار کرنا پڑتا ہے اور بقیہ کھانوں سے وہ بچ جاتے ہیں۔ کیونکہ روٹی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کا پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہے۔ خواہ گیہوں کی روٹی ہو یا جَو کی، باجرے

کی ہو یا کّمی کی، بہر حال روٹی پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوتی ہے اور اس طرح ایک کھانا کھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان کھانوں کو چھوڑ دیتا ہے جو محض زبان کے ذائقہ کے لئے ہوتے ہیں، پیٹ بھرنے کے لئے نہیں ہوتے اور ان کھانوں کو اختیار کرتا ہے جو پیٹ بھر دیتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں آج کل یورپ میں بڑا شور اس بات پر ہے کہ لوگوں کو ہوٹلوں میں دو دو تین تین کھانوں سے زیادہ کھانے نہیں ملتے اور ان کے لئے یہ امر بڑی تکلیف کا موجب ہے لیکن ہمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے تحریک جدید کے ماتحت جو در حقیقت احیاء تھا رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیم کا ایک کھانا کھانے میں ذرا بھی گھبراہٹ اور تکلیف محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کھانا کھانے سے ہماری ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ تعیّش کے سامان ہم نے اپنے لئے پیدا ہی نہیں کئے کہ ان کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں تکلیف محسوس ہو۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اس ذریعہ سے ہمارے لئے ایسی آسانی پیدا کر دی ہے کہ جو بات ان کے لئے تکلیف کا موجب ہے وہ ہمارے نزدیک نہ صرف تکلیف کا موجب نہیں بلکہ ہم اسے بھی تعیّش قرار دیتے ہیں۔ آج کل اخبارات میں بڑے بڑے لوگوں کی دعوتوں کا ذکر چھپتا ہے اور لکھا ہوتا ہے کہ یہ دعوت اتنی سادہ تھی، اتنی سادہ تھی کہ حد ہو گئی۔ صرف شوربا تھا، پنیر تھا، کچھ کباب تھے اور کچھ سیلڈ تھا۔ اس طرح وہ تین چار کھانے گن دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ سادگی کی حد ہو گئی۔ فلاں بادشاہ یا فلاں پریذیڈنٹ کے ہاں دعوت ہوئی اور اس دعوت میں صرف تین چار کھانے تیار ہوئے۔ حالانکہ اگر ہم اسلامی طریق پر چلیں تو اتنے کھانے ہمارے نزدیک زمانۂ امن کی بڑی بھاری دعوتوں میں ہونے چاہئیں۔ روزانہ استعمال کے لئے اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ دال روٹی یا سالن روٹی یا دال یا سالن کے ساتھ چاول ہوں اور وہ کھانے کے لئے مل جائیں بلکہ ہمارے ملک میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اس سے بھی محروم رہتے ہیں۔ انہیں نہ دال میسر آتی ہے اور نہ گوشت۔ وہ صرف اچار سے روٹی کھالیتے ہیں یا لسّی کے ساتھ روٹی کھالیتے ہیں۔ چنانچہ جن جن علاقوں میں اسلامی تمدن زیادہ عرصہ تک جاری رہا ہے وہاں یہی پرانا طریق اب تک جاری ہے۔ سندھ میں چونکہ ایک لمبے عرصہ تک

اسلامی حکومت رہی ہے اس لئے وہاں اب تک یہ دستور ہے کہ غرباء لسّی کے ساتھ باجرے کی روٹی کھالیتے ہیں اور اُمراء دودھ کے ساتھ باجرے کی روٹی کھالیتے ہیں۔

ایک دفعہ مَیں نے کچھ زمین خریدنے کے لئے ایک افسر کو مقرر کیا۔ وہ افسر زمین خریدنے کے لئے میر خاندان کے اس فرد کے پاس پہنچا جس سے سودا ہونا طے ہؤا تھا۔ (میر خاندان سندھ پر ایک لمبے عرصہ تک حکومت کر چکا ہے اور اب بھی اس خاندان کے افراد اچھے بڑے زمیندار ہیں)۔ اتفاق ایسا ہؤا کہ میر صاحب اس وقت گھر پر نہیں تھے اور گو وہ ایسے بڑے زمینداروں میں سے نہیں مگر گورداسپور کے علاقہ کے لحاظ سے وہ اچھے بڑے زمیندار ہیں اور ان کی پندرہ سولہ سو ایکڑ نہری زمین ہے۔ وہ چونکہ گھر پر نہیں تھے اس لئے یہ ان کی بیٹھک میں جاکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکی آئی۔ اس کے ہاتھ میں کٹورا تھا اور کٹورا ایک کپڑے سے ڈھکا ہؤا تھا جس کے اندر کوئی چیز تھی۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے سمجھا کہ یہ تھال ہے اور انہوں نے تھال پر کپڑا لپیٹ کر کٹورے کو ڈھانکا ہؤا ہے۔ لڑکی کٹورا رکھ کر اندر چلی گئی۔ مَیں نے دیکھا تو اس میں دودھ تھا۔ مَیں نے سمجھا کہ شاید گھر والوں نے ناشتہ کے طور پر دودھ بھجوایا ہے۔ چنانچہ مَیں نے دودھ پی لیا۔ میر صاحب کو آنے میں دیر ہو گئی اور وہ دو تین گھنٹہ کے بعد پہنچے۔ آتے ہی انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ نے کھانا کھالیا ہے۔ مَیں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے کیا ابھی تک کھانا نہیں آیا۔ مَیں نے کہا نہیں آیا۔ خیر وہ اندر گئے اور انہوں نے گھر والوں سے کہا کہ اب تک کھانا کیوں نہیں بھجوایا اور خواہ مخواہ مجھے شرمندہ کروایا ہے۔ وہ دوست کہتے ہیں کہ میں بھی ان کی آپس کی باتیں سن رہا تھا۔ گھر والوں نے کہا کہ کھانا تو دو تین گھنٹے ہوئے ہم بھجوا چکے ہیں۔ وہ کہنے لگے بھجوایا کہاں ہے۔ میں ابھی پوچھ کر آیا ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ کھانا نہیں آیا۔ بیوی کہنے لگی کہ مَیں نے فلاں لڑکی کے ہاتھ کھانا بھجوایا تھا اور وہ ان کے پاس چھوڑ کر آگئی تھی۔ خیر وہ پھر واپس آئے اور انہوں نے کٹورے کو پڑا ہؤا دیکھا۔ کٹورا چونکہ ڈھکا پڑا تھا اس لئے انہوں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو کٹورا خالی تھا۔ کہنے لگے مولوی صاحب آپ نے دودھ پیا ہے۔ میں نے کہا دودھ تو پی لیا ہے مگر کھانا نہیں کھایا۔ انہوں نے اس کپڑے کو جو کٹورے پر رکھا ہؤا تھا کھولا تو میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی

کہ جسے مَیں تھال سمجھ رہا تھا وہ باجرے کی روٹی نکل آئی۔ گویا گھر والوں نے کھانے کے لئے باجرے کی روٹی اور ساتھ دودھ کا کٹورا بھیج دیا اور سمجھ لیا کہ ان کو اس سے زیادہ اور کس چیز کی ضرورت ہے۔ آخر میر صاحب بھی سمجھ گئے کہ کیا بات ہوئی ہے اور انہوں نے گھر جا کر کہا کہ یہ لوگ اس کھانے کے عادی نہیں ہیں ان کے لئے چاول پکوا کر بھجواتے تو وہ سمجھتے کہ ان کے لئے کھانا آیا ہے۔ اب دیکھو کہ ان کی سندھ میں پندرہ سو ایکڑ زمین ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ ساٹھ مربعوں کے مالک ہیں۔ اگر کسی پنجابی کے پاس ساٹھ مربعے ہوں تو اس کا دماغ پھر جاتا ہے۔ عام طور پر ہمارے ہاں زمینداروں میں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب بڑے رئیس ہیں ان کے پاس چار مربعے ہیں یا پانچ مربعے ہیں مگر ان کے پاس ساٹھ مربعے تھے اور زمین بھی نہری تھی۔ مگر باوجود اس کے ان کی غذا یہی تھی کہ دودھ کے ساتھ باجرے کی روٹی کھالی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ سندھ میں دیر تک اسلامی حکومت رہی ہے اور چونکہ سندھ ایک اسلامی ملک تھا اس لئے کھانے پینے کے معاملہ میں مسلمان اس قدر اسراف سے کام نہیں لیتے تھے جس قدر اسراف سے وہ لوگ کام لیا کرتے تھے جو غیر ممالک میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے لوگ بڑے مہمان نواز ہیں اور ان میں مہمان نوازی کی عادت بہت حد تک پائی جاتی ہے۔ اور یہ صرف سندھ پر منحصر نہیں۔ جس جس ملک میں مسلمان زیادہ ہیں وہاں مہمان نوازی کی عادت لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اسراف نہیں کرتے۔ مہمان گھر پر آ جائے تو انہیں ذرا بھی گھبراہٹ محسوس نہیں ہوتی اور جو کچھ گھر میں پکا ہو وہ اس کے سامنے لا کر رکھ دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں غیر مذاہب کے اثر کے نیچے مہمان نوازی کا جذبہ بہت کم ہو گیا ہے اور ہر شخص خواہ اسے کتنی بڑی تنخواہ ملتی ہو یہ سمجھتا ہے کہ میرا گزارہ اس تنخواہ میں نہیں ہو سکتا۔ کسی کو اگر ہزار روپیہ تنخواہ ملتی ہے تو وہ فوراً حساب لگا لیتا ہے کہ ڈیڑھ سو روپیہ کوٹھی پر خرچ آئے گا، ڈیڑھ دو سو ملازموں کی تنخواہوں پر صَرف ہو جائے گا۔ پھر اپنا دھوبی رکھنا پڑے گا جو کپڑے دھوئے گا، اپنا نائی رکھنا پڑے گا جو روزانہ ڈاڑھی مونڈے گا۔ پھر اتنا روپیہ بیوی کے عطروں اور پوڈروں اور فیتوں پر خرچ آئے گا اور اس قدر روپیہ فرنیچر پر صَرف ہو گا۔ غرض اسی طرح وہ حساب لگاتا چلا جاتا ہے اور آخر میں اسے معلوم ہوتا ہے کہ آمد تو ہزار روپیہ ہے

مگر میرا خرچ گیارہ بارہ سو روپیہ ہے یا آمد پانچ سو روپیہ ہے تو خرچ سات سو روپیہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاں جب کوئی مہمان آجاتا ہے اسے دیکھتے ہی اس کی جان نکل جاتی ہے کہ میں تو آگے ہی مقروض ہوں اسے کھانا کہاں سے کھلاؤں۔ اسی وجہ سے خصوصاً شہر بہت ہی بدنام ہیں۔ لاہور کے متعلق تو عام لطیفہ مشہور ہے کہ جب کسی کے ہاں مہمان آتا ہے تو وہ پہلے اس سے یہ دریافت کرتا ہے کہ آپ کس گاڑی سے واپس جائیں گے اور جب ریل کا وقت قریب آتا ہے تو میزبان کھانا لانے میں عمداً دیر کر دیتا ہے اور جب بہت ہی تھوڑا وقت رہ جاتا ہے تو وہ آکر کہتا ہے کہ صاحب کھانا بھی تیار ہے اور ریل بھی تیار ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ریل کا وقت سن کر کھانا کہاں کھائے گا۔ یہی کہے گا کہ اگر ریل کا وقت ہو گیا ہے تو پھر مَیں کھانا نہیں کھاتا۔ ایسا نہ ہو میں رہ جاؤں۔ غرض لاہور کے متعلق یہ لطیفہ عام طور پر مشہور ہے مگر اس سے مراد لاہور کے اصلی باشندے ہیں۔ باہر سے آنے جانے والے جو وہاں ٹھہرتے ہیں ان میں کچھ مدت تک مہمان نوازی کی عادت قائم رہتی ہے۔ ایسے موقعوں پر بعض لوگ ڈھیٹ بن کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ بہت اچھا آپ کھانا لے آئیں ہم کسی اور گاڑی پر روانہ ہو جائیں گے۔ یہ سن کر وہ اس وقت کھانے کے انتظام کے لئے دوڑتے ہیں کیونکہ درحقیقت انہوں نے پہلے کھانا تیار نہیں کیا ہوتا۔ گو اس لطیفہ میں مبالغہ ہو گا اور یقیناً ہے کیونکہ کسی ملک یا کسی شہر کے تمام افراد کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جذبۂ مہمان نوازی سے عاری ہیں۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شہریوں نے اپنی ضرورتیں اتنی بڑھا لی ہیں، اتنی بڑھا لی ہیں کہ نیک کاموں پر خرچ کرنے کے لئے انہیں اپنی تنخواہوں میں گنجائش ہی نظر نہیں آتی مگر جن لوگوں نے تحریک جدید کے مطالبات پر عمل کیا ہے انہیں جنگ کے باوجود خدا تعالیٰ کے فضل سے کوئی تکلیف نہیں۔ مَیں لوگوں سے کئی دفعہ سنتا ہوں کہ سونا اب سو روپے تولہ ہو گیا ہے، اب ہم زیورات کس طرح بنوائیں۔ مگر مَیں نے آج تک کسی احمدی کو اس رنگ میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ اس بات پر تو افسوس کا اظہار کر دیتے ہیں کہ جب سونا ساٹھ روپے تولہ تھا اس وقت ہم نے فلاں زیور کیوں فروخت کیا۔ اب فروخت کرتے تو زیادہ روپیہ مل جاتا مگر مَیں نے کسی احمدی کے مُنہ سے یہ نہیں سنا کہ اب سونا سخت مہنگا ہو گیا ہے، نئے زیورات

کس طرح بنوائیں۔ یہ اسی لئے ہے کہ تحریک جدید کے ماتحت ہماری جماعت کے قلوب سے اسراف کی عادت خدا تعالیٰ کے فضل سے نکل گئی ہے۔ مگر آج جس مضمون کی طرف مَیں خصوصیت کے ساتھ توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلے تو جماعت نے اس تحریک کو محض میری اطاعت کے طور پر مانا تھا مگر اب مَیں چاہتا ہوں کہ دوست اس بات کو دیکھیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے تحریک جدید کے زمانہ میں ہی ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں جن کے نتیجہ میں لوگ اس بات پر مجبور ہو رہے ہیں کہ اپنے حالاتِ زندگی میں تغیر پیدا کریں اور کھانے اور پینے کی چیزوں میں کمی کریں۔

پس انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا میں اس قسم کے زمانے بھی آتے رہتے ہیں۔ اس لئے انہیں نہ عارضی طور پر بلکہ مستقل طور پر اپنی عادتوں میں ایسا تغیر پیدا کرنا چاہیئے اور اپنے حالات زندگی میں ایسی سادگی اختیار کرنی چاہیئے کہ زمانہ کا رنگ کیسا ہی بدل جائے انہیں کوئی دکھ اور تکلیف محسوس نہ ہو۔ مَیں نے بتایا ہے کہ جن حالات میں ہم روزانہ اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہمیں ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ وہ یورپین لوگوں کے لئے شدید مشکلات کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ آج کل بھی جن حالات میں سے وہ گزر رہے ہیں وہ ہمارے نزدیک تعیّش کے سامان اپنے اندر رکھتے ہیں۔ پس دنیا کے حوادث ایک سچے مومن کے لئے کسی تکلیف کا موجب نہیں ہو سکتے۔ آخر رسول کریم ﷺ سے بڑھ کر دنیا میں اور کون ہے جو اس بات کا مستحق ہو سکتا ہے کہ اسے آرام اور راحت پہنچے۔ اگر کوئی چیز فائدہ کا موجب ہو سکتی ہے، اگر کوئی چیز ہماری زندگی کے لئے ضروری سمجھی جا سکتی ہے، اگر کوئی چیز ایسی ہے جس سے ہم راحت اور آرام محسوس کر سکتے ہیں تو ہر مومن جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہو وہ ہر راحت اور آرام کی چیز کو استعمال کرتے وقت اس امر کی خواہش کرے گا کہ کاش اسے اس امر کی توفیق ہوتی کہ وہ اس راحت اور آرام کی چیز کو رسول کریم ﷺ کی ذات کے لئے مہیا کر سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں جن لوگوں کے دلوں میں سچی محبت تھی انہوں نے عملی طور پر اس بات کا ثبوت دے دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تاریخ میں آتا ہے کہ جس وقت سب سے پہلے ہوائی چکیاں آئیں اور مدینہ میں ان چکیوں کے ذریعہ میدے کی طرح نہایت

باریک آٹا تیار ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ سب سے پہلا آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا جائے تا کہ سب سے پہلے وہ اس آٹے کو استعمال کریں۔ پھر کسی اور کو استعمال کرنے کے لئے دیا جائے گا۔ وہ میدے کی طرز کا باریک آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں تحفةً بھیجا گیا اور عرض کیا گیا کہ سب سے پہلے آپ اس کی روٹی پکا کر کھائیں۔ اس کے بعد اور لوگوں کو کھانے کی اجازت دی جائے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آٹا پکوایا اور اس کی روٹی کھانے لگیں۔ ارد گرد کی عورتیں یہ سن کر کہ ایک نئی قسم کا آٹا آیا ہے اور وہ نہایت ہی باریک ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہو گئیں۔ ہم اس بات کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے کہ عورتیں کیوں جمع ہوئیں کیونکہ ہم مدتوں سے باریک آٹا استعمال کرتے چلے آرہے ہیں اور ہمارے لئے اس میں کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں رہی۔ مگر شروع شروع میں گاؤں کے لوگ بھی بڑے حیران ہوتے تھے اور جب مشینوں سے آٹا پِس کر جاتا تو وہ ارد گرد سے اس کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اس طرح کا ایک مجمع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہو گیا۔ اور محلہ کی سب عورتیں اکٹھی ہو گئیں۔ وہ پھلکوں کو ہاتھ لگاتیں اور کہتیں واہ واہ کیسے نرم پُھلکے ہیں۔ آخر وہ خادمہ جس نے پھلکے پکائے تھے اس نے ایک دو پھلکے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے رکھ دیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لقمہ لیا اور مُنہ میں ڈالا مگر مُنہ میں لقمہ ڈالتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ خادمہ کو شبہ پیدا ہوا کہ کہیں روٹی میں کوئی نقص نہ رہ گیا ہو۔ وہ کہنے لگی بی بی روٹی تو بڑی نرم ہے اور بغیر سالن کے آپ ہی گلے سے اترتی جاتی ہے مگر آپ کی حالت سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ لقمہ آپ کے گلے میں پھنس گیا ہے۔ کیا روٹی میں کوئی نقص تو نہیں رہ گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں۔ روٹی بڑی نرم ہے مگر یہ واقع میں میرے گلے میں پھنس گئی ہے کیونکہ مُنہ میں روٹی کا لقمہ ڈالتے ہی مجھے خیال آیا کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں چکیاں نہیں ہوا کرتی تھیں اور ہم بعض دفعہ پتھر پر پتھر رکھ کر گیہوں پیس لیتے اور بسا اوقات رسول کریم ﷺ کے سامنے میں ایسے ہی موٹے اور بے چھنے آٹے کی روٹی رکھا کرتی تھی۔ آج اس روٹی کا

نرم نرم لقمہ میرے مُنہ میں جاتے ہی مجھے خیال آیا کہ اگر یہ چکیاں اس وقت ہوتیں تو مَیں اس آٹے کی روٹی پکا کر رسول کریم ﷺ کو کھلایا کرتی۔ یہی خیال ہے جس کے آنے سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور یہ لقمہ میرے گلے میں پھنس گیا۔

اب دیکھ لو یہ سچے عشق کا نتیجہ ہے۔ روٹی کی نرمی میں کوئی شبہ نہیں۔ آٹے کے اچھا ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر جب اس نعمت کے استعمال کا وقت آیا تو جو محبوب ترین وجود تھا اس کی طرف خیال چلا گیا کہ کاش یہ نعمت ہم اس کے سامنے رکھ سکتے۔

مَیں نے کئی دفعہ اس زمانہ کے ایک عاشق کا بھی قصہ سنایا ہے۔ منشی اروڑا صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشاق میں سے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ کوشش کرتے تھے کہ ہر جمعہ یا اتوار کو قادیان پہنچ جایا کریں۔ چنانچہ انہیں جب بھی چھٹی ملتی یہاں آ جاتے اور کوشش کرتے کہ اپنے سفر کا ایک حصہ پیدل طے کریں تاکہ کچھ رقم بچ جائے اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ ان کی تنخواہ اس وقت بہت تھوڑی تھی۔ غالباً پندرہ بیس روپے تھی اور اس میں وہ نہ صرف گزارہ کرتے بلکہ سفر خرچ بھی نکالتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھی نذرانہ پیش کرتے۔ مَیں نے ان کا ہمیشہ ایک ہی کوٹ دیکھا ہے دوسرا کوٹ پہنتے ہوئے میں نے ان کو ساری عمر میں نہیں دیکھا۔ انہوں نے تہہ بند باندھا ہوا ہوتا تھا اور معمولی سا کرتہ ہوتا تھا۔ ان کی بڑی خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ آہستہ آہستہ کچھ رقم جمع کرتے رہیں اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں نذرانہ عقیدت کے طور پر پیش کر دیں۔ رفتہ رفتہ وہ اپنی دیانت سے ترقی کرتے چلے گئے اور تحصیلدار ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے کچھ مہینوں یا ایک سال کے بعد وہ قادیان میں آئے اور مجھے اندر کسی نے آکر کہا کہ منشی اروڑا صاحب دروازہ پر آپ کو ملنے کے لئے آئے ہیں۔ مَیں باہر گیا انہوں نے جلدی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جیب میں سے (مجھے اچھی طرح یاد نہیں) تین یا چار پونڈ سونے کے نکالے اور نکال کر میرے سامنے کئے۔ جونہی انہوں نے پونڈ دینے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا ان پر اتنی رقت طاری ہوئی کہ وہ چیخیں مار کر رونے لگ گئے اور انہوں نے

اس طرح تڑپنا شروع کر دیا جس طرح ذبح کیا ہوُا بکرا تڑپتا ہے۔ میری عمر اس وقت چھوٹی تھی۔ انیس سال عمر تھی۔ میں انہیں اس حالت میں دیکھ کر گھبرا گیا کہ نہ معلوم انہیں کیا ہو گیا ہے۔ مگر میں چُپکا کھڑا رہا اور وہ روتے رہے، روتے رہے اور روتے رہے۔ کئی منٹ رونے کے بعد جب وہ اپنے نفس کو قابو کر سکے یعنی اتنا قابو کہ ان کے گلے میں سے آواز نکل سکے تو نہایت ہی کرب اور اندوہ سے انہوں نے مجھے کہا کہ میری بد قسمتی دیکھو کہ ساری عمر میرے دل میں یہ خواہش رہی کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سونا تحفہ کے طور پر پیش کروں مگر اس کی توفیق نہ ملی۔ مگر اب جو میں سونا پیش کرنے کے قابل ہوُا تو وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ یہ کہہ کر ان پر پھر وہی حالت طاری ہو گئی اور ذبح کئے ہوئے بکرے کی طرح تڑپنے لگے اور مَیں جو اَب ان کے جذبات سے واقف ہو چکا تھا اپنے جذبات کو بصد مشکل دبا کر ان کے سامنے کھڑا رہا۔

تو اگر واقع میں دنیا کی یہ نعمتیں کوئی نعمتیں ہیں اور اگر واقع میں ان سے ہمیں کوئی حقیقی آرام پہنچ سکتا ہے تو ایک مومن کا دل ان کو استعمال کرتے وقت ضرور دکھتا ہے کہ اگر یہ نعمتیں ہیں تو پھر یہ اس قابل تھیں کہ رسول کریم ﷺ کو ملتیں۔ اور پھر آپؐ کے بعد آپؐ کے ظل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملتیں۔

مَیں چھوٹا ہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مجھے شکار کا شوق پیدا ہو گیا۔ ایک ہوائی بندوق میرے پاس تھی جس سے مَیں شکار مار کر گھر لایا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ کھانا کم کھایا کرتے تھے اور آپ کو دماغی کام زیادہ کرنا پڑتا تھا اور مَیں نے خود آپ سے یا کسی اور طبیب سے یہ سنا ہوُا تھا کہ شکار کا گوشت دماغی کام کرنے والوں کے لئے مفید ہوتا ہے اس لئے مَیں ہمیشہ شکار آپ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہی نہیں کہ اس زمانہ میں مَیں نے خود کبھی شکار کا گوشت اپنے لئے پکوایا ہو۔ ہمیشہ مَیں شکار مار کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دیا کرتا تھا۔ تو جب انسان کو اپنے محبوب سے محبت کامل ہوتی ہے تو پھر یا تو وہ کسی چیز کو راحت ہی نہیں سمجھتا اور یا اگر راحت سمجھتا ہے تو کہتا ہے یہ اس کے محبوب کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآن علوم کے

بڑے بڑے معارف اپنے فضل سے کھولے ہیں مگر بیسیوں مواقع مجھ پر ایسے آئے ہیں جبکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نکتہ مجھ پر کھولا گیا تو میرے دل میں اس وقت بڑی تمنا اور آرزو یہ پیدا ہوئی کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانہ میں یہ نکتہ مجھ پر کھلتا تو میں ان کے سامنے پیش کرتا اور مجھے ان کی خوشنودی حاصل ہوتی۔ اصل مقام تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی ہے۔ حضرت خلیفہ اول کا خیال مجھے اس لئے آیا کرتا ہے کہ انہوں نے مجھے قرآن شریف پڑھایا اور انہیں مجھ سے بے حد محبت تھی اور ان کی یہ خواہش ہؤا کرتی تھی کہ مَیں قرآن پر غور کروں اور اس کے مطالب نکالوں۔ تو یہ چیزیں جو ہیں ہمارے لئے حقیقی راحت کا موجب نہیں ہو سکتیں بلکہ اگر ہمارے عشق وابستہ ہیں بعض ایسی ہستیوں سے جو اب دنیا میں موجود نہیں تو یہ نعمتیں بجائے راحت کے ہمارے لئے تکلیف کا موجب ہو جاتی ہیں۔ جب بھی جلسہ ہوتا ہے اور لوگ دور دور سے جمع ہوتے ہیں میرے قلب پر اس وقت رقت طاری ہو جاتی ہے اس خیال سے کہ سلسلہ کی یہ عظمت اور یہ شان اور اس کی یہ ترقی ہم لوگ جن کا اس ترقی میں کوئی بھی ہاتھ نہیں وہ تو دیکھ رہے ہیں مگر وہ شخص جس کے ذریعہ سے یہ سب کام ہؤا اور جس نے اس کی خاطر سب دنیا سے تکلیفیں سہیں وہ انہیں نہیں دیکھ رہا۔ تو سچی بات یہ ہے کہ محبت اور عشق کے ہوتے ہوئے یہ چیزیں کہ کہیں تعیّش کے سامان ہیں، کہیں دنیوی سامانوں کی بہتات ہے انسان کے لئے راحت کا موجب نہیں ہو سکتیں اور اس وجہ سے ان کا چھوڑنا بھی انسان کے لئے زیادہ تکلیف کا موجب نہیں ہو سکتا۔ پس ہم اگر ان چیزوں کو چھوڑ دیں تو ہمارے لئے ان کا چھوڑنا ذرہ بھی تکلیف کا موجب نہیں ہو سکتا لیکن اگر ہم ان کو چھوڑ دیں تو دنیا کے لئے جنت کی کیفیت پیدا کرنے میں ممد ہو سکتے ہیں۔ آخر یہ غربتیں اور تکلیفیں اسی وجہ سے ہیں کہ کچھ لوگ زیادہ عیاشی میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ کروڑوں مَن غلہ اور کروڑوں مَن انگور شرابوں کے بنانے میں صَرف کر دیتے ہیں۔ اگر وہ لوگ بھی پانی پر کفایت کرتے تو کروڑوں مَن غلہ اور انگور لوگوں کے پیٹوں میں جاتا اور اس طرح ان کو ایک مقوّی غذا بھی ملتی۔ ان کے دل کو بھی طاقت حاصل ہوتی اور ان کے دماغ کو بھی تروتازگی حاصل ہوتی مگر انہوں نے ایک ایسی ضرورت پیدا کر لی ہے جو حقیقی ضرورت نہیں اور اس کی

وجہ سے وہ دنیا کے ایک معتد بہ حصہ کو غلہ سے اور پھلوں سے محروم کر رہے ہیں ورنہ وہی غلہ اور وہی پھل کروڑوں لوگوں کی صحت اور ان کی راحت کا موجب ہوتا۔ یہی حال باقی اشیاء کا ہے۔ جتنا جتنا انسان زیادہ تکلفات اختیار کرتا ہے اتنا اتنا خود اس کی زندگی قربانی سے محروم ہوتی جاتی ہے اور دوسرے انسانوں کو بلاوجہ اس کے لئے قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ جس کے پاس زیادہ روپیہ ہوتا ہے وہ اپنے روپیہ کے زور سے دوسروں کا حق چھیننے کی کوشش کیا کرتا ہے مثلاً گندم اور چاول ہیں یہ عام ملنے والی چیزیں ہیں لیکن اگر کوئی شخص ایک سیر گندم کو ایک چھٹانک نشاستہ کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے اور وہ نشاستہ اپنے استعمال میں لاتا ہے یا کسی اور طرز پر اس کی کمیت کو کم کر دیتا ہے تو دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے 15 چھٹانک غلہ سے دنیا کو محروم کر دیا۔ اسی طرح وہ شخص جس نے ایک سیر جَو کی شراب بنا کر ایک گلاس پی لیا اس نے ایک آدمی کو صبح اور شام کے کھانے سے محروم کر دیا۔

پس تحریک جدید درحقیقت اسلام کے احیاء کا نام ہے۔ جدید وہ صرف ان معنوں میں ہے کہ دنیا اس سے ناواقف ہو گئی تھی ورنہ درحقیقت وہ تحریک قدیم ہی ہے۔ مَیں ایک دفعہ ایک دعوت میں شامل ہؤا جو ایک انگریز افسر کے اعزاز میں دی گئی تھی۔ مَیں عموماً ایسی دعوتوں میں نہیں جایا کرتا مگر لوگوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس دعوت میں ضرور شریک ہوں۔ مَیں نے کہا مَیں نہیں جاتا کیونکہ عموماً ایسی دعوتوں میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں اور انگریز عورتیں مصافحہ کرنے کی کوشش کیا کرتی ہیں اور میں چونکہ اسلامی تعلیم کے ماتحت عورتوں سے مصافحہ کرنا ناجائز سمجھتا ہوں اس لئے انہیں تکلیف محسوس ہوتی ہے اور وہ اس بات میں اپنی ہتک محسوس کرتی ہیں مگر لوگوں نے کہا کہ آپ ضرور چلیں۔ ہم آپ کو الگ بٹھا دیں گے۔ خیر مَیں چلا گیا۔ یہ دعوت ایک جرنیل کی تھی۔ جب اس جرنیل کو معلوم ہؤا کہ مَیں بھی وہاں آیا ہؤا ہوں تو وہ بڑے شوق سے مجھ سے ملنے کے لئے آیا اور اپنے ساتھ اپنی بیوی کو بھی لے آیا۔ آتے ہی اس کی عورت نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اس سے طبعی طور پر اسے تکلیف ہوئی کیونکہ انگریز عورتیں اسے اپنی بڑی ہتک سمجھتی ہیں اس کے خاوند کو بھی تکلیف ہوئی اور اس نے مجھے کہا کہ مَیں تو آپ کی جماعت کے

متعلق یہ سمجھتا تھا کہ یہ ایک نئی تحریک ہے اسی لئے میں اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ میں نے کہا یہ آپ کی غلطی ہے یا ہماری غلطی ہے کہ ہم آپ کو صحیح طور پر سمجھا نہیں سکے۔ ہماری تحریک تو درحقیقت پرانی ہے اور ہم تعلیم کے لحاظ سے تیرہ سو سال پیچھے جاتے ہیں۔ تو تحریک جدید اس کا نام صرف اس لئے ہے کہ دنیا اس سے ناواقف ہو چکی تھی اور یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہمیں ایک پرانی چیز کو نئی کہنا پڑا کیونکہ لوگ اس سے ناواقف ہو چکے تھے اور وہ جدید نہیں بلکہ قدیم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے جس طرز پر زندگی بسر کی ہم تحریک جدید کے ذریعہ اسی کے قریب قریب لوگوں کو لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آجکل دنیا کے حالات ایسے رنگ میں بدل چکے ہیں کہ ہم اپنی طرز زندگی کی بالکل وہی شکل نہیں بنا سکتے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طرز زندگی کی شکل تھی مگر اس کے قریب قریب جس حد تک زمانہ کے حالات ہم کو اجازت دیتے ہیں ہم لوگوں کو لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور یہی تحریک جدید کی غرض ہے۔

پس ان ایام میں جبکہ خدا تعالیٰ نے جبراً ساری دنیا میں تحریک جدید کو جاری کر دیا ہے مَیں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ حالات جو رونما ہو رہے ہیں ان کو دیکھو، غور کرو اور سمجھو کہ اسلام کی تعلیم کس قدر رحمت کا موجب ہے۔ اگر ہمیشہ ہم اپنی زندگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق سادہ رکھیں تو اس قسم کے حوادث ہمیں ذرا بھی تکلیف نہ پہنچا سکیں۔ آج یورپ اور امریکہ کے لوگ چلّا چلّا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم مر گئے۔ مگر وہ جو اپنے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مر گئے ہم پہلے بھی ان سے کم کھا رہے تھے مگر باوجود اس کے ہمیں کوئی تکلیف نہ تھی اور آج بھی ان سے کم کھا رہے ہیں اور ہمیں کوئی تکلیف نہیں۔ پس اگر ایسے واقعات ہم پر آ جائیں تو ہمارے لئے کیا تکلیف کا موجب ہو سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ کوئی اندھا تھا جو رات کے وقت کسی دوسرے سے باتیں کر رہا تھا۔ ایک اور شخص کی نیند خراب ہو رہی تھی۔ وہ کہنے لگا حافظ جی سو جاؤ۔ حافظ صاحب کہنے لگے ہمارا سونا کیا ہے چپ ہی ہو جانا ہے۔ مطلب یہ کہ سونا آنکھیں بند کرنے اور خاموش ہو جانے کا نام ہوتا ہے۔ میری آنکھیں تو پہلے ہی بند ہیں اب خاموش ہی ہو جانا ہے اور کیا ہے۔ تو مومن کے لئے

یہ حالات تکلیف کا موجب نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ کہتا ہے مَیں تو پہلے ہی ان حالات کا عادی ہوں جیسے مومن کو دنیا مارنا چاہتی ہے تو وہ کہتا ہے مجھے مار کر کیا لوگے۔ مَیں تو پہلے ہی خدا کے لئے مَرا ہوا ہوں۔ دنیا موت سے گھبراتی ہے مگر ایک مومن کو جب دنیا مارنا چاہتی ہے تو وہ کچھ بھی نہیں گھبراتا اور کہتا ہے مَیں تو اسی دن مَر گیا تھا جس دن میں نے اسلام قبول کیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ آگے میں چلتا پھرتا مُردہ تھا اور اب تم مجھے زمین کے نیچے دفن کر دو گے میرے لئے کوئی زیادہ فرق پیدا نہیں ہو گا۔

پس اگر لوگ اسلام کے احکام کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں تو وہ یقیناً اس قسم کے حالات کے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیار رہیں اور اول تو تکلیفیں آئیں ہی نہ کیونکہ یہ تکلیفیں اسی لئے آتی ہیں کہ لوگ دوسروں کا حق غصب کر لیتے ہیں۔ اگر دنیا میں کوئی شخص دوسرے کے حق کو غصب نہ کرے تو اس قسم کی تکلیفیں کبھی نہ آئیں۔ پس اول تو ایسے حالات میں تکالیف آئیں ہی نہ اور اگر آجائیں تو سادہ زندگی کی وجہ سے لوگ اس بات کے عادی ہوں گے کہ تکالیف کو برداشت کر سکیں۔ اور اس وجہ سے باوجود تکلیف دہ ایام کے ان کو تکلیف کا کوئی احساس نہ ہو گا۔ جیسے آج کل ہم دیکھ رہے ہیں کہ یورپ کے لوگوں کے نزدیک جو مشکلات ہیں وہ ہمارے لئے روزمرہ زندگی کا مشغلہ ہیں۔ اور جن کو وہ آفتیں اور مصیبتیں خیال کرتے ہیں وہ ہمارے نزدیک راحت اور آرام ہیں۔ اس لئے ان تکلیفوں کا ہمیں پتہ تک نہیں لگتا۔ آخر لوگ آجکل کیا کہہ رہے ہیں۔ یہی کہہ رہے ہیں کہ بڑی مصیبت آگئی پہننے کے لئے اچھے کپڑے نہیں ملتے مگر ایک مومن کے لئے یہ چیز ذرا بھی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ تھوڑے ہی دن ہوئے بعض نے مجھ سے کہا کہ اب کپڑوں کا ملنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ میں نے کہا پھر کیا ہوا۔ مومن کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر کپڑا مل جائے تو وہ پہن لیتا ہے نہ ملے تو نہ سہی، پرانے کپڑوں سے پیوند لگا کر ہی گزارہ کر لیتا ہے۔ پھر میں نے کہا رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور آپؐ کے صحابہؓ کے کپڑوں کو پیوند لگے ہوا کرتے تھے۔ کیا ہم ان سے بڑے ہیں کہ اپنے کپڑوں کو پیوند نہ لگا سکیں بلکہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس کپڑے بہت کم ہوا کرتے تھے، قمیص ہوتی تھی تو پاجامہ نہیں ہوتا تھا، پاجامہ ہوتا تھا تو

قمیص نہیں ہوتی تھی۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک لڑکا تھا جس نے قرآن کریم کا بہت سا حصہ حفظ کیا ہوا تھا۔ ایک دفعہ بعض لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ فلاں جگہ لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے امام کی ضرورت ہے آپ نے اس لڑکے کو ہی امام مقرر کر دیا۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں اگلی صفوں میں مرد ہوا کرتے تھے اور پچھلی صفوں میں عورتیں ہوا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ اس نے جماعت کرتے ہوئے سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَر کہا تو ایک عورت نے اپنا سر پہلے اٹھالیا۔ اس لڑکے کا کرتہ چھوٹا تھا اور پاجامہ کوئی تھا نہیں۔ اس عورت کی اتفاقاً نظر جا پڑی اور اس نے دیکھا کہ وہ ننگا ہو رہا ہے۔ شروع شروع کا زمانہ تھا اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ارے لوگو اپنے امام کا ستر تو ڈھانکو۔ آخر لوگوں نے چندہ کر کے اسے تہبند بنوا کر دیا۔ اب کیا تم سمجھتے ہو کہ اس لڑکے کی عزت تہبند نہ ہونے کی وجہ سے کم تھی۔ آج جو دنیا میں بڑے بڑے مالدار اور معزز لوگ دکھائی دیتے ہیں ان سے یقیناً اس لڑکے کی عزت زیادہ تھی بلکہ خدا کے نزدیک وہ ہر ایسے مالدار سے جو تقویٰ میں اس سے کم درجہ پر تھا زیادہ معزز تھا۔ ہم کسی بڑے سے بڑے مالدار کو بھی آج رضی اللہ عنہ نہیں کہتے بلکہ اگر کوئی ہمیں رضی اللہ عنہ کہنے پر مجبور بھی کرے تو ہم نہیں کہیں گے مگر اس لڑکے کے نام پر ہم سب رضی اللہ عنہ کہنے پر مجبور ہیں۔ اگر آج کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی کوئی شخص گالی دے تو ایک مومن کا دل نہیں دُکھتا لیکن اگر اس لڑکے کو کوئی شخص گالی دے تو ایک مومن کا دل زخمی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لڑکا ہمارے محبوب آقا کا صحابی تھا۔ اس لئے ہمارے نزدیک دنیا کے کسی بادشاہ کی بھی وہ عزت نہیں جو اس لڑکے کی ہے۔

پس مَیں نے ان دوستوں کو جواب دیا کہ تم کپڑے نہ ملنے کا افسوس نہ کرو۔ صرف خدا تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہو کہ ہمارے ملک میں غلہ کم نہ ہو۔ اگر غلہ لوگوں کو میسر آتا رہے تو اسلام جو زندگی پیش کرتا ہے اس کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت نہیں آئی۔ روٹی ایسی چیز ہے جو انسان کی زندگی کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ اس میں کمی نہ آئے تو کوئی تکلیف انسان کو نہیں ہو سکتی۔ باقی جس قدر چیزیں ہیں وہ سب زوائد ہیں ملیں یا نہ ملیں کوئی بات نہیں۔ آجکل ولایت میں ایک کالی روٹی کہلاتی ہے جس میں کچھ غلہ اور کچھ دوسری چیزیں ملی

ہوئی ہوتی ہیں اور وہ بڑا شور مچاتے ہیں کہ ہمیں کھانے کے لئے کالی روٹی ملتی ہے حالانکہ ہمارے ہاں لوگ باجرے کی خالص روٹی کھاتے ہیں اور انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ان کے ہاں آٹے میں اگر ذرا سی بھی ملاوٹ ہو جائے تو وہ شور مچا دیتے ہیں کہ ہم پر آفت آگئی، ہم مر گئے، ہمیں کالی روٹی کھانے کے لئے مل رہی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں کروڑوں کروڑ لوگ ایسے ہیں جو باجرہ اور جوار کھاتے ہیں بلکہ بعض علاقوں میں مَڈّھل3 کی روٹی کھائی جاتی ہے۔ میں نے خود مڈھل کی روٹی استعمال کی ہے، بڑی سخت ہوتی ہے۔ اس کا دانہ اتفاقاً پیدا ہو جاتا ہے اور قحط کے زمانہ میں لوگ اسے استعمال کیا کرتے ہیں مگر ہمارے ہاں باجرہ یا جوار یا مڈھل کھا کر لوگ شور نہیں مچاتے کہ ان کے لئے کس قدر مصیبت کا سامان پیدا ہو گیا لیکن یورپ کے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ آج بھی ہم سے بہتر کھانے کھاتے ہیں مگر شور یہ مچا رہے ہیں کہ سخت مصیبت آگئی۔ یہ تکلیف ان کو اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے اسلام کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ اگر وہ عمل کرتے تو وہ اپنی روٹی کو زیادہ سے زیادہ سادہ بناتے، اپنے لباس کو زیادہ سے زیادہ سادہ بناتے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ ہوتی بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ لڑائی بھی نہ ہوتی کیونکہ لڑائی اسی لئے ہو رہی ہے کہ بعض قومیں دوسروں کا مال چھیننا چاہتی ہیں

پس تحریک جدید کی غرض کو سمجھو اور اپنی زندگیوں کو اور بھی سادہ بنانے کی کوشش کرو۔ اور اس امر کو اچھی طرح سمجھ لو کہ تعیّش کے سامان خواہ کس قدر کم ہوں یقینی طور پر وہ امیر اور غریب میں دوری پیدا کر دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر زیادہ قیمتی قالین استعمال نہیں کئے جاتے۔ امراء کے ہاں ہوتے ہیں لیکن ایسے امراء بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ عام طور پر لوگ فرش پر دریاں یا چادریں وغیرہ بچھا دیتے ہیں لیکن باوجود اس کے کہ ان کے ہاں کوئی قیمتی قالین نہیں ہوتے۔ اگر گاؤں کی کوئی عورت آ جائے اور وہ اس فرش پر بیٹھ جائے تو وہ بُرا مناتے ہیں کہ اس کے بیٹھنے کی وجہ سے ہمارا فرش میلا ہو گیا۔ اب دیکھو یہ ایک بُعد ہے جو اس معمولی سے سامان کی وجہ سے امیر اور غریب میں پیدا ہو گیا۔ اگر یہ فرش نہ ہوتا تو اس غریب عورت کی تحقیر دل میں پیدا نہ ہوتی۔ پس ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہم اس بُعد کو دنیا سے

مٹادیں اور ایسے رنگ میں مٹائیں کہ جب کوئی غریب آدمی کسی امیر کے کمرے میں داخل ہو تو اس غریب کا وہاں آنا اس پر گراں نہ گزرے بلکہ اس کا دل خوش ہو کہ وہ اپنے ایک بھائی سے مل رہا ہے۔ لیکن اگر اس بُعد کو دور نہیں کیا جائے گا، اگر امیر اور غریب میں امتیاز قائم رہے گا تو جب تمہارے گھر میں پندرہ سو، دو ہزار یا تین ہزار کے قیمتی قالین بچھے ہوئے ہوں گے اور ایک غریب تم سے ملنے کے لئے آئے گا تو گو تم اسے تکلّف سے کہہ دو گے کہ وہ قالین پر بیٹھ جائے مگر اس کا دل اندر سے دھڑک رہا ہو گا کہ کہیں میرے بیٹھنے کی وجہ سے قالین میلا نہ ہو جائے اور یہ امیر دل میں ناراض نہ ہو جائے اور تم اپنے دل میں اس پر اور سب غرباء پر لعنتیں کر رہے ہو گے کہ یہ بد تہذیب اس امر کا بھی خیال نہیں کرتے کہ اپنے میلے کپڑوں اور میلے پاؤں سے ہمارے گھروں میں داخل ہوتے ہیں اور خدا کے فرشتے یہ کہہ رہے ہوں گے کہ لعنت ہو ایسے قالینوں پر اور لعنت ہو ان قالین والوں پر جو خدا کے بندوں میں دوئی ڈال رہے ہیں۔ پس تعیّش کے سامانوں کو مٹاؤ، اپنی زندگیوں کو سادہ بناؤ اور اس امر کو سمجھ لو کہ سادہ زندگی دلوں میں محبت پیدا کرتی اور فسادوں اور لڑائیوں کو دنیا سے دور کرتی ہے۔ مَیں پھر کہتا ہوں اپنی زندگیوں کو سادہ بناؤ اور اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرو تا کہ دنیا تمہارے لئے بھی جنت بن جائے اور تمہارے دوسرے بھائیوں کے لئے بھی جنت بن جائے۔ اے میرے رب تُو ہمیں اس کی توفیق دے۔" (الفضل 23 مئی 1943ء)

1: المؤمنون:4

2: الاعراف: 32

3: **مَڈّھل:** ایک اناج جس کے دانے باریک ہوتے ہیں (پنجابی اردو لغت صفحہ 1401 مطبوعہ لاہور 1989ء)